[ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء]

مہکتے پھول

مرتبہ

حافظ نعیم احمد (ادیب)

مقام و پوسٹ انوایاں بلتھرا روڈ، بلیا (یوپی)

جب کی میں ۱۳ ۱۴ سال کا تھا جبھی سے اپنے گھر وخاندانی بزرگوں کے متعلق بڑے بوڑھوں درشتداروں سے وقتاًفوقتاً عجیب وغریب واقعات وخوبیاں سنتا رہا، اپنے خاندان کے متعلق حقیقت سننے کا مجھے شوق پیدا ہوا اور اسکے لئے تقریباً ۲۵ سالوں تک کوشاں رہا۔ مزید معلومات وتصدیقات کے لئے مجھے کئی بار کچھ مخصوص لوگوں وشتہداروں سے رابطہ قائم کرنا پڑا۔ اس سلسلہ میں تصدیقات ومعلومات وچشم دید مشاہدات کے لئے دو بار پاکستان کاسفر بھی کیا اور بہت سارے حالات وحقائق کا میں بذات خود چشم دید گواہ ہوں۔ سفر پاکستان کی واپسی پر مجھے اندازہ ہوا کہ خاندان کے بزرگان حضرات کوئی معمولی شخصیت نہ تھے۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کی ایسے قیمتی بزرگوں کے احوال جمع کر لئے جائیں تا کہ آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ وہ تحفہ ثابت ہو۔ میں نے سارے واقعات تصدیق کے بعد جمع کرنا شروع کردیا اور اک چھوٹی کتا بچہ کی شکل دے کر چھپنے کے لئے دے دیا اور ارادہ ہوا کہ چھپنے کے بعد ایک کتابچہ بطور تحفہ محترم چچاجان کی خدمت میں پیش کروں گا، لیکن سے ستمبر ۲۰۰۰ کو شوکت علی بھائی جان کا ٹیلیگرام ملا جس سے معلوم ہوا کہ محترم چچاجان ۲ ستمبر ۲۰۰۰ء کو اس دنیائے فانی سے رخصت ہو کر معبود حقیقی سے جاملے یہ خبر مرے لئے بچین کر دینے والی تھی۔ ایک ایک کر کے ان کے کردار و گفتاران کی محبت وشفقت کی یاد آنے لگی اور دل تڑپ اٹھا آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے چونکہ غیر ملکی طویل سفر سے میں معذور تھا اسلئے میں چچا جان کے اہل وعیال کے غم میں شریک نہ ہو سکا جس کا مجھے تا حیات غم رہے گا۔ بعدہ میں نے خاندان والوں رشتہ داروں و چچاجان کے ملنے والوں کو

انکے انتقال کی خبر دی اور قرآن خوانی کا سلسلہ شروع ہوا اور علاقے وقصبہ کے مختلف مساجد ودینی مدارس میں تلاوت کلام پاک اہتمام کیا گیا یہ سلسلہ ایک ہفتہ چلا جب میزان کیا گیا تو کل ایک سو بائیس ختم کلام پاک چچاجان کے روح کو ایصال کیا گیا یہ میزان دیکھ کر سبھی کو تعجب ہوا کہ ایک مدت دراز سے قطع تعلق رہے چچا جان سے یہاں کے لوگ اتنی محبت وعقیدت رکھتے ہیں (یہ بھی ایک مثال ہے)۔

اسی درمیان بہت سے لوگوں سے بہت ساری باتیں معلوم ہوئی کسی نے بتایا کہ وہ مجاہد تھے۔ کسی نے کہا وہ مبلغ تھے۔ کسی نے کہا انکے دل میں قوم کی تڑپ تھی۔ کسی نے کہا وہ متقی تھے۔ کسی نے کہا کہ وہ نماز پنجگانہ و تہجد کے پابند تھے۔ ایک انکے دوست نے بتایا کہ مولوی عبدالرزاق صاحب کے شاگردوں میں سب سے ذہین اور استاد کے خدمت گزار تھے۔ اسی وجہ سے مولوی عبدالرزاق صاحب انکو بہت مانتے تھے۔

چچا جان کے ایک دوست اور انکے ہمسبق جو ریلوے ریٹائرڈ ہیں اور آج بھی باحیات ہیں یاداشت کمزور ہونے کے باوجود سوچ سوچ کر چچا جان کے بارے میں بہت ساری باتیں انہونے بتایا جو میں نے نوٹ کرلیا۔ انہونے بتایا کہ بچپنے سے جوانی تک ہم لوگ ساتھ رہے مگر کبھی انکی نماز چھوٹتے نہیں دیکھا۔ کبھی کسی سے جھگڑتے نہیں دیکھا۔ ہمیشہ ہر حال میں سچ بولتے تھے۔ حق بات منہ پر ہی کہ دیتے تھے۔ ہم جماعت میں اگر کوئی تنازعہ پیدا ہوتا تھا توہم لوگ مصطفے بھائی سے اپنا فیصلہ کراتے تھے ۔ اسباق میں جو بات سمجھ میں

نہیں آتی تھی تو ہم لوگ انکے پاس جاتے تھے۔ اور انسے حل کراتے تھے۔ اور وہ صحیح صحیح حل کر دیتے تھے۔ کوئی بھی ہم جماعت انکو ناراض نہیں کرتا تھا بلکہ ہم سب ان کا ادب کرتے تھے۔

وہ کبھی کسی کھیل میں حصہ نہیں لیتے تھے۔ ہم لوگ کھیل کود کے لیے اصرار کرتے تو کہتے کہ تم لوگ کھیلو میں اپنا گھٹنہ نہیں کھولوں گا گناہ ہے اور میرا کپڑا خراب ہو جائے گا مجھے نماز پڑھنی ہے۔ وہ درجہ میں سب سے پہلے پہنچ جایا کرتے تھے۔ مغرب وعشاء کے درمیان ہمیشہ انکو پڑ ھتے دیکھا گیا۔ محلہ میں کبھی کسی سے جھگڑا ہوتا تو وہاں سے ہٹ جاتے تھے جب جھگڑا درہم برہم ہوجاتا تب گھر سے باہر نکلتے تھے۔ ہم لوگ جب یہ کہتے تھے کہ جہاں جھگڑا ہو تو وہاں سے مرد کو بھاگنا نہیں چاہیئے تو جواب دیتے تھے کہ جہا جھگڑا ہوتا ہے وہاں پر شیطان موجود ہو جاتاہے اور جہاں شیطان موجود ہو وہاں پر شر وفساد کا اندیشہ ہے۔

انکے ایک ہم جماعت محمد ظفر صاحب نے بتایا کہ مصطفے بھائی بے شمار خصوصیات کے حامل تھے۔ انکی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ہمیشہ اللہ پر بھروسہ رکھتے تھے۔ اور ہر حال میں صابر و شاکر رہتے تھے۔ نماز کا وقت ہوتے ہی مسجد کو چل دیتے تھے۔ اور ہمیشہ اپنے سے بڑوں کے پاس بیٹھنا پسند کرتے تھے۔

انکی ذہانت اور پرہیز گاری کو دیکھ کر آبادی والے کہتے تھے کہ یہ لڑکا ایک دن ضرور خاندان کا نام روشن کریگا۔ مولوی عبدالرزاق صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ یہ لڑکا دین کی خدمت کریگا۔

ظفر صاحب نے بتایا کہ ایک دفعہ ہم کئی لڑکے باغ میں بیٹھ کر چنے کا بھونا کھار ہے تھے اسی درمیان مصطفے بھائی آ گئے ہم لوگوں نے انکو یہی بھونا کھانے کے لیے بلایا تو آ کر بیٹھ گئے مگر بہت غمگین تھے۔ ہم لوگوں نے پوچھا کیوں اداس ہیں تو وہ خاموش رہےانکی خاموشی دیکھ کر ہم لوگوں کو بھی فکر ہوئی پھر ہم لوگوں نےاصرار کیا تو انہوں نے بتایا کہ میرے بھیا کی طبعت بہت خراب ہے اگر وہ ٹھیک نہ ہوئے تو ہمارا اور والدہ کا کیا ہوگا یہ کہنے کے بعد انکے آنکھوں میں آنسو آ گئے یہ سنکر ہم لوگ بھی فکر مند ہوے اور ہم سبھی لوگ مصطفے بھائی کے گھر آئے تو دیکھا کی واقعی محمد ابراہیم بھائی کی طبعت بہت خراب تھی ہم لوگوں نے مشورہ کر کے حکیم عبد المجید صاحب کو گھر پر بلا لائے انہوں نے دوائین دین اور محمد ابراہیم بھائی صحت یاب ہو گئے ۔

ایک صاحب موضع چوکیاں کے انکے دوست جو پوسٹ ماسٹر تھے نے بتایا کہ مصطفے بھائی ایک سچے ایمان دار اور مذہب پرست انسان تھے اگر کوئی سچ اور مذہب کے خلاف کچھ کہ دیتا تو سخت ناراض ہو جاتے تھے پھر بعد میں خوب اچھی طرح سمجھا دیتے تھے۔ خلاف شرع باتوں پر فورا ٹوک دیتے تھے۔ اور اپنی ڈیوٹی کے سخت پابند تھے۔ اور نہایت محنت اور ایمان داری سے کام کرتے تھے۔ اس وجہ سے محکمہ کے افسران ان سے بہت خوش رہتے تھے۔

ایک بار انکا تبادلہ سکندر پور ہوگیا یومیہ بائیس کیلومیٹر پیدل چل کر آفس جاتے تھے۔ اور شام تک واپس آجاتے تھے اسوقت سواریوں کی بہت کمی تھی۔ وہ راستہ بہت تیز چلتے تھے۔ ان کے ساتھ ہم لوگ جب بھی چلتے تو ہمیشہ پیچھے رہ جاتے تھے۔

سکندر پور میں ہی کام کر رہے تھے تبھی ۱۹۴۷ء میں انگریزوں کے خلاف آزادی کی لڑائی لڑنے والوں نےپوسٹ آفس میں آگ لگادی آفس کے کاغذات جل کر راکھ ہو گے چچا جان پر انقلابیوں سے ملکر شازش کرنے کا الزام لگ گیا اور انگریز حکومت کے طرف سے گرفتاری کا حکم ہو گیا اس وقت ہندو مسلم جھگڑا ملک کے اندر شباب پر تھا کافی جانی مالی نقصان ہورہا تھا لگتا تھا کہ دونوں قومیں آپس میں لڑ کر ختم ہو جائیں گی۔ اسی درمیان یہاں سے لوگ نقل مکانی پر مجبور تھے۔ ہند پاک کا بٹوارہ بھی ہو چکا تھا چا جان بھی ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے اور کچھ دنوں کے بعد حالات بہتر ہوئے تو ہندوستان واپس آ کر چچی محترمہ معہ بچوں کے پاکستان جا کر آباد ہو گئے۔ وہ کہا کرتے تھے ہجرت میں برکت ہے۔

چچا جان ہمیشہ کسی نہ کسی ذرائع سے اپنی والدہ مرحومہ کوتاحیات کچھ رقم بھیجتے تھے۔ دادی مرحومہ رقم پا کر بہت خوش ہوتی تھیں اور دعائیں دیتی تھیں ۔ چچا جان نےکئی بار کوشش کیا کہ اپنی والدہ کو اپنے ساتھ رکھیں مگر دادی مرحومہ یہ کھ کر انکار کردیتی تھیں کہ محمد ابراہیم جسنے ہماری اور تمہاری بہت خدمت کی اور ہر حال میں ہمارا تمہارا خیال کیا ابراہیم وانکے بچوں کو چھوڑ کر جانے کی طبیعت نہیں کرتی ۔ (میں اس حقیقت

سے اچھی طرح واقف ہوں کہ دادی مرحومہ کی خدمت کے لئے چچا جان ہمیشہ تڑ پتے رہے) لیکن یہ اسی وقت ممکن تھا جب دادی مرحومہ ساتھ رہتیں۔ چچا جان ایک بار ہندوستان آئے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں اپنی والدہ کی خدمت نہ کرسکا اور بھیا کا مجھ پر بہت احسان ہے ان کے لئے بھی کچھ نہ کر سکا اور یہ کہکر رونے لگے تھے ۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب دادی مرحومہ اور والد صاحب اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔

چچا جان جب بھی ہمارے یہاں آتے تو یو میہ قبرستان جاتے اور میری نشان دہی پر دادا، دادی، اور والد صاحب کے قبروں پر کھڑے ہو کر فاتحہ پڑ ھتے اور روتے تھے ۔ چچا جان جب بھی ہمارے یہاں آئے ملنے والوں کی بھیڑ لگی رہتی ۔

تھوڑی رسمی گفتگو کے بعد چا جان ہمیشہ دین کی ہی باتیں کرتے تھے۔ دیر رات تک لوگوں کو دین کی باتیں بتاتے اور دین کے کام کے لئے لوگوں کو تلقین کرتے۔ تھوڑی دیر سونے کے بعد اٹھ جاتے تھے اور تہجد ادا کر کے صبح کی نماز تک عبادت ودعا میں مشغول رہتے ۔ صبح کی نماز باجماعت پڑھ کر قران پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ طویل سفر سے تھکان اور سانس کی تکلیف کے باوجود کبھی بھی تہجد کی نماز بھی نہیں چھوٹتی تھی۔ وہ جب بھی ہمارے یہا آئے آبادی میں غریبوں ویتیموں کی کچھ نہ کچھ مدد کرتے اوراس کی خبر ہم لوگوں کو بھی نہ ہوتی تھی۔ ایسے سبھی لوگ ہمیشہ دعائے خیر سے یاد کرتے اور ہمیشہ چچاجان کی خیریت پوچھتے رہتے۔ ایک شخص نے آپکی دعوت کی بعد نماز عشاء جب ہم لوگ کھانے کے لئے دستر خوان پر بیٹھے تو چچاجان نے

میزبان سے پوچھا تم نے عشاء کی نماز پڑھ لی۔ اس شخص نے جواب دیا کہ کل سے نماز شروع کر دونگا۔ چچا جان نے کہاکہ یہ تمہارا کھانا کل ہی کھاؤں گا اور چچاجان دسترخوان سے کھڑے ہو گئے، تب وہ شخص بہت ہی منت سماجت کرنے لگا تب چچا جان نے کہا اگر آجہی رات کو تمہاری موت ہو جائے تب کیا ہوگا ۔ جاؤا بھی نماز پڑھ لو وہ شخص وضو بنا کر نماز پڑ ھنے لگا اور ہم لوگ باتین کرتے رہے جب نماز پڑھ کر آیاتو ہم لوگ ایک ساتھ کھانا کھاکے وہ شخص اتنا متاثر ہوا کہ آج بھی مستقل نمازی ہے۔

ایک بار مولوی عبدالرزاق صاحب نے مجھ سے کہا کہ مصطفے کا ذہن جلالی ہے۔ وہ حق ومذہب کے خلاف کوئی بھی بات برداشت نہیں کر پاتے ۔ دادی مرحومہ کو بھی کسی نے مصطفے کہ کر پکارتے نہیں سنا وہ ہمیشہ با بو کہ کر پکارتی تھیں ۔ چچاجان جب بھی ہمارے یہاں آئے کئی پیچیدہ جھگڑے دمعاملات کا فیصلہ کر کے گئے جسکی مثال آج بھی لوگ دیتے ہے۔ ہماری آبادی میں آج بھی گپتا جی ہیں وہ ہندو ہیں، جنکو قرآن پاک کی سورتیں یاد ہیں اور بہت سارے دینی مسائل سے واقف ہیں رمضان کے روزے رکھتے ہیں اور اسلام کو سچا مذہب مانتے ہیں انکا کہنا ہے کہ یہ سب مصطفے چچا کی دین ہے۔ جب بھی یہاں سے پاکستان واپس جاتے تو دہلی تک ایک جماعت کی تشکیل کرتے اور انکو ساتھ لے کر دہلی مرکز تک جاتے ۔

ایک بار بسلسلہ جماعت دہلی آے تو مجھے ٹیلیگرام دے کر بلایا جب میں مرکز پہونچا تو بہت خوش ہوئے اس وقت مولانا عبد الوہاب صاحب بھی آئے ہوئے تھے۔ چچا جان نے ان سے ملوایا وہ بھی خوش

ہوئے اور دعائیں دیں۔ مولانا عبد الوہاب صاحب نے کہا کہ تمہارے یہاں سکندر پور کا عطر بہت مشہور ہے میرے لئے کچھ عطر بھیجو۔ چچاجان نے مجھے تاکید کیا کہ ضرور بھیجنا یہ ہمارے امیر ہیں۔ میں نے گھر آ کر درجن بھر عطر کی شیشیاں بذریعہ مولانا احمد لاٹ صاحب دہلوی بھیجوا دیا تھا۔ میں جب ۱۹۹۰ء میں سفر پاکستان کے دوران لاہور سے رائےونڈ گیا اس وقت رات ہو چکی تھی اور میں کافی تھک گیا تھا۔ خیال ہوا کہ مولانا عبد الوہاب صاحب سے مل لوں مگر اس وقت دنیا بھر سے تبلیغی احباب آئے ہوئے تھے۔ مولانا کافی مصروف تھے ملاقات نہ ہوسکی وہاں پر ایک صاحب نے بڑی تواضع کی اور انہوں نے بتایا کہ مصطفے صاحب مرکز کے بزرگوں میں سے ہیں اور انہوں نے اپنی نصف عمر مرکز میں لگا دیا ہے اور انہونے بتایا کہ مصطفے صاحب مولانا عبدالوہاب صاحب کے قربت والوں میں ہیں۔

ایک بار مولوی عبدالرزاق صاحب نے کہا کہ میرے شاگردوں میں سب سے زیادہ ذہین اور نیک مصطفے ہیں۔ چچاجان نے مجھ سے مشورہ کیا کہ میں اپنے استاد کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ دعوت دی گئی چچی محترمہ نے ہی پلاؤ بنایا جو مولوی صاحب نے بہت پسند کیا۔

ایک بار چچا جان نے کہا کہ تم نے میری بہن کی لڑکی سے عقد کیا بہت اچھا کیا، اس رشتہ سے میں بہت خوش ہوں. ایک بار انہونے کہا کہ میں بوڑھا ہو کر تم لوگوں سے ملنے چلا آتا ہوں اور تم جوان ہو کر میرے گھر نہیں آتے، مینے وعدہ کیا کہ ضرور آؤں گا۔ مینے ہمت کر کے سفر کیا راستہ آسان ہو گیا اور ڈیرہ تک

پہونچ گیا۔ چچا جان کے بڑے لڑکے اسلام آباد میں ڈپٹی پوسٹ ماسٹر جنرل تھے، انسے بھی ملنے گیا۔ ان کے گھر کا بھی رہن سہن دیکھ کر بہت خوشی ہوئی انمیں بھی چچا جان کی دین داری کی جھلک صاف نظر آئی۔ مجھے امید قوی ہے کی وہ چچا جان کے جانشین ثابت ہوں گے۔

چچا جان اکثر کہا کرتے کہ انسان کو انسان کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانا چاہیے بلکہ اللہ تعالے سے مانگنا چاہئے۔ وہ کہتے اللہ سے جب مانگو تو تہجد کے بعد اللہ سے گڑ گڑا کر مانگو اور سچے دل سے مانگو دعا ضرور قبول ہوگی۔ وہ کہتے انسان اسی وقت مدد کرتاہے جب اللہ کی مرضی ہوتی ہے۔

چچا جان شروع سے ہی تعزیہ داری کے خلاف تھے ۔ ایک بار موضع کے زینداروں نے چچا جان پر دباؤ ڈالا کہ تم بھی اور لوگوں کی طرح تعزیہ داری میں حصہ لو انہونے صاف انکار کر دیا تب دسویں محرم کو دروازو سے جلوس گذرتے وقت زمین داروں کے شہ پر ہجوم نے مکان پر حملہ کر کے نقصان پہنچوایا، دادی مرحومہ نے چچا جان سے کہا باہر جا کر منع کرو، تو چچا جان نے کہا کہ اس وقت ان لوگوں کے سر پر شیطان سوار ہیں، میں بعد میں مکان مرمت کرالوں گا۔ یہ صبر دیکھ کر سبھی شرپسند بہت شرمندہ ہوے۔ ایک بار میرے گھر آئے تو سانس کی تکلیف بہت بڑھ گئی تھی ایس۔پی۔ آفس آمد درج نہ کراسکے، واپسی درج کرانے گئے تو پولیس کلرک نے اعتراض کر دیا اور کہا کی آپ ابتک کہاں تھے اس کی انکواری کرائی جائے گی۔ وہ نہیں مانا تب ہم لوگ ظہر کی نماز پڑھ نے چلے گئے واپس آئے تو وہ کلرک بہت بچینی سے ہم لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے

پہلے ہم لوگوں کو چائے پلائی اور فورا واپسی درج کر کے کاغذ دے دیا اور ہم لوگوں کو گیٹ تک چھوڑنے آیا اور معذرت کے ساتھ مصافحہ کیا۔

ایک مشہور واقعہ یوں ہے ۱۴ شعبان کو مسجد میں شب بیداری دعبادت کے لیے موضع کے سبھی بڑے بوڑھے اکٹھا تھے چچا جان ہی تھے، نصف شب ہوتے ہوتے سبھی پر نیند کا غلبہ ہونے لگا کچھ تو گھر جا کر سو گئے کچھ مسجد میں ہی سو گئے جو بیٹھے تھے وہ اونگھ رہے تھے مگر چچاجان عشاء کی نماز پڑھ کر نہ مسجد سے باہر نکلے نہ سوئے اور نہ جھپکی آئی نہ ہی دوران عبادت مسجد میں کسی سے گفتگو کی اور صبح کی نماز پڑھ کر گھر واپس آئے اس کا موضع میں خوب چرچہ رہا۔ مولوی ناظم صاحب نے کہا کی مصطفے کو دین ودنیا کی دولت سے کوئی روک نہیں سکتا ۔ مولوی ابرار احمد مرحوم سے چچا جان ملنے گئے تو وہاں پر حافظ نصر الدین مرحوم بھی موجود تھے انلوگوں نے کہا کی کچھ پاکستان کی باتیں اور کچھ اپنی باتیں بتائیے۔ چچا جان نے کہا: بس ہندوستان کی ہی طرح پاکستان کے بھی حالات ہیں۔ مختصر سا جواب دے کر انہونے کہا کی: رہی میری بات تو مینے کبھی اصولوں کا سودا نہیں کیا۔ ہر خوشی غم میں ہمیشہ اللہ پر بھروسہ رکھا۔ بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے پوری جدوجہد کیا اور اللہ تعالے نے ہمیں نیک آل واولاد عطا کیاہے، کوئی کم محسوس نہیں ہوتی، بس یہ کی میں اپنی والدہ کی خدمت نہ کر سکا۔ کہکر رونے لگے اور میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگے کہ انلوگوں نے میری والدہ کی خدمت آخر وقت تک کیا، میں انلوگوں کی بالخصوص حافظ نعیم کی قدر کرتا ہوں انکے لئے اور انکی اہلیہ کے لئے دعاے خیر کرتا ہوں۔

مندرجہ بالا دونو حضرات موضع کے بزرگوں میں تھے۔ ایک واقعہ بہت مشہور ہے چچا جان درجہ پنجم میں پڑھ رہے تھے ایک دن عصر کی نماز پڑھ کر واپسی میں موضع کے زمیندار کے پھاٹک کے اندر جا کر کھڑے ہو گئے زمیندار نے دیکھا تو چچا جان کو قریب بولا کر زمینداری رعب میں ڈانٹ پھٹکار لگانے لگا اور چلے جانے کو کہا، یہ بات جب موضع میں پھیلی تو سبھی کو بری لگی، مولوی عبد الرزاق صاحب کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے مغرور زمیندار کو بہت ڈانٹا اور کہا کی: مصطفے ایک بزرگ حافظ کے لڑکے ہیں اور یتیم ہیں اور میں انکو اپنی اولاد کی طرح مانتا ہوں اور شاگردوں میں سب سے زیادہ انکی قدر کرتا ہوں۔ زمیندار نے معذرت کرلی، چچا جان نے طفلانہ انداز میں کہا کہ میں بھی زمیندار ہوتا تو نپٹ لیتا ۔ دادی مرحومہ نہ سمجھاتے ہوئے کہا کہ :تم بھی ایک دن زمیندار بنو گے۔

جب میں ۱۹۹۹ ء میں پاکستان گیا تو مینے دیکھا کی چچاجان سیکڑوں بیگھہ زمین کے مالک ہیں اور ذرا بھی کسی فرد میں کبر کا شائبہ نہیں ہے۔ چچا جان کہا کرتے تھے: تکبر سے مال وجائیداد اللہ تعالیٰ چھین لیتے ہے، کسی کی تحقیر کرنا تباہی کا باعث ہوتاہے: لا تحقرن ادنی المسلمین۔ (حدیث)

خاندانی بزرگوں کے کچھ احوال

قدرت علی میاں ایک مشہور شخصیت تھے ان کے دو لڑکے طہور علی و بہادر علی بھی نامی گرامی تھے۔ بہادر علی کے آل و اولاد آج بھی موضع بہورواں میں مقیم ہیں۔ طہور علی کے دو لڑکے حافظ منصف و حافظ کرامت علی جو بڑے حافظ صاحب وچھوٹے حافظ صاحب کے نام سے علاقہ میں مشہور تھے ۔ حافظ کرامت علی کے آل و اولاد بڑا گاؤں وانوایاں میں آج بھی موجود ہیں۔ حافظ منصف صاحب کے لڑکے محمد مصطفے وایک لڑکی نور نامہ تھیں ۔

دادی مرحومہ چونکہ بیوہ تھیں جب حافظ منصف صاحب کے نکاح میں دوبارہ آئیں تو ایک لڑکا جنکا نام محمد ابرا ہیم تھا ساتھ لائیں تھیں، انہی کے ہم سب آل واولاد انوایاں میں آج بھی موجود ہیں۔ حافظ منصف کے انتقال کے بعد دادی مرحومہ ایک بار پھر بیوہ ہو گئیں۔ اس وقت محمد مصطفے مرحوم کی عمر ۴ سال کی تھی اور نور نامہ کی پیدایش حافظ صاحب کے انتقال کے ۲ ماہ بعد ہوا اور محمد ابراہیم مرحوم کی عمر ۱۲ سال تھی۔ کوئی معقول آمدنی نہ ہونے کے وجہ سے دادی مرحومہ کے سامنے بچوں کے پرورش کا معاملہ درپیش تھا چونکہ محمد ابراہیم مرحوم بڑے تھے انہوں نے کم عمری کے باوجود والدہ مرحومہ سے اجازت لے کر تلاش معاش کے لئے گھر سے باہر نکل گیے ۔ انہوں نے کلکتہ پہونچکر ایک فیکٹری میں نوکری کر لیا اور گھر کے اخراجات پورے ہونے لگے۔ محمد ابراہیم نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ خودتو نہ پڑھ سکا مگر چھوٹے بھائی محمد مصطفے کو خوب پڑھاؤں

گا۔ محمد مصطفے نے مدرسہ میں داخلہ لے لیا تھا اور پڑ ھنے میں اتنے ذہین تھے کہ انکی ذہانت کی شہرت مدرسہ میں اور آبادی میں پھیل گئی تھی ۔ وہ ہر درجہ میں اول آتے تھے۔ محمد مصطفے کہتے تھے کہ: بھیا آپ کو ہم لوگوں کی وجہ سے گھر چھوڑ کر باہر رہناپڑتاہےاور تمام پریشانیاں جھیلنی پڑ تی ہیں۔ محمد ابراہیم جواب دیتے کی: میں بڑا ہوں میرا فرض ہے کہ تمہارا اور چھوٹی بہن نور نامہ اور ضعیف والدہ کا خیال رکھوں، تم خوب محنت سے پڑھو اور خاندان کا نام روشن کرو۔ یہ سلسلہ چلتا رہا محمدمصطفی نے دسوین پاس کر لیا وہ بھی چاہتے تھے کی ہمیں بھی کوئی کام ملجائے تو بھیا کو آرام ملے اور ہم بھی والدہ کے ہاتھ پر کچھ پیسہ رکھ سکیں اسی درمیان پٹواری کی نوکری کا کاغذ آگیا مگر انہوں نے یہ کہ کر یہ نوکری کرنے سے انکار کر دیا کہ اسمیں رشوت چلتی ہے ۔

محمدابراہیم کی شادی ہو چکی تھی۔ محمد مصطفی شادی کی فکر لگی ہوئی تھی لیکن محمد مصطفے کو شادی سے زیادہ نوکری کی فکر تھی۔ اسی درمیان علاقہ کے مشہور شخصیت ورئیس محمد عثمان صاحب بہورواں کے یہاں شادی پکی ہوگئی۔ محمد عثمان صاحب چوراسی مواضعات کے مکھیا تھے ۔ اس رشتہ میں بھی عجیب و غریب حالات سامنے آئے مثلا کسی نے کہا کہ محمد مصطفے بہت غریب ہیں۔ کسی نے کہا کہ انکے پاس اچھا مکان نہیں ہے۔ ہر کسی نے یہ رشتہ کاٹنے کی کوشش کی ایک خاص رشتہ دار نے محمد عثمان صاحب سے کہا کہ آپنے کیا دیکھ کر یہ رشتہ طے کیا ہے۔ مجھےعثمان صاحب نے جواب دیا کہ میں نے بدلی میں چاند دیکھ کر یہ رشتہ طے کیا ہے۔ سبھی لا جواب ہو گیے عین شادی کے دن ہی پوسٹ ماسٹری کا کاغذ آگیا انکو نوکری کی اتنی لگن تھی کہ بارات

رخصتی سے قبل ہی گھر واپس آ گئے ۔ پریشانیوں کے وقت گذر گیے تھے۔ دونوں بھائیوں کی مدد سے نور نامہ کی بھی شادی ہوگئی۔

احوال بزرگان

طہور علی و بہادر علی دونوں سگے بھائی تھے جسمانی طور پر یہ لوگ بہت ہی طاقتور تھے۔ انکا ایک واقعہ بہت ہی مشہور ہے ۔ نصف شب کو چوروں نے ان کے گھر میں چوری کے ارادے سے دیوار پھاند کر اندر گھسنا چاہ رہے تھے اسی وقت بہادر علی کی آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے اپنے بھائی طہور علی کو جگایا۔ دونوں بھائی چپکے سے چوروں کو پکڑنے کے لیئے باہر نکلے۔ چوروں کو آہٹ ملی تو وخوف زدہ ہو کر بھاگ گئے یہ دونوں بھائی لاٹھی لے کر دو سمت سے گھر کے پیچھے میدان میں آمنے سامنے آ کر اندھیری کی رات میں ایک دوسرے کو چور سمجھ کر آپس میں ہی لاٹھیاں چلانے گے۔ یہ مقابلہ کافی دیر تک ہوتا رہا، لاٹھیوں کی آواز سن کر ایک بزرگ ہاتھ میں چراغ لے کر گھر سے باہر آئے تو دیکھا کہ دونوں بھائی آپس میں بہتاشہ لاٹھی چلا رہے ہیں اور ایک دوسرے کو مارنا چاہتے ہیں۔ ان بزرگ نے ڈانٹا کی آپس میں یہ تم لوگ کیا کر رہے ہو، تب جا کر یہ دونوں ہٹے

اور کہا کہ ہم لوگ ایک دوسرے کو چور سمجھ رہے تھے ۔ چرچا ہے کہ یہ لاٹھیاں چلانے میں بڑے ماہر تھے۔

(دادی مرحومہ)

حافظ منصف صاحب کے کچھ احوال

حافظ منصف صاحب کے متعلق مشہور ہے کی وہ بہت ہی کم گو اور نرم مزاج تھے۔ وہ کبھی بھی کسی حالت میں کسی کو سخت نہیں بولتے تھے۔ راہ چلتے نگا اتنی نیچی رکھتے کہ بغل سے کوئی نکل جاتا انکو خبر نہ ہوتی۔ نماز کے لئے گھر سے نکلتے تو سیدھے مسجد جاتے اور دوسرے راستے سے گھر واپس آتے ۔ راہ میں کوئی اینٹ پتھر سامنے آتا تو اسے ہاتھ سے اٹھا کر کنارے کر دیتے ۔

آبادی کے بیشتر معاملات انکے سامنے آتے حالات کو غور سے سن کر بڑی ایمانداری سے فیصلہ کردیتے تھے۔ انکا ہر فیصلہ فریقین کو قابل قبول ہوتا اور فریقین مطمئن ہوکر گھر چلے جاتے۔ ہمیشہ چلتے پھرتے گھر میں ہوں یا با ہر یا کسی کام میں مصروف رہتے قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہتے ۔ گھر کے اندر ہمیشہ ننگے پاؤں رہتے ۔ گھر سے باہر نکلتے تو سر پر عمامہ (پگڑی) باندھ کر ہی نکلتے۔ (گھر سے باہر کبھی بھی کس نے پوری زندگی بغیر پگڑی کے نہیں دیکھا) وہ ہمیشہ گھر سے وضو کر کے مسجد جاتے۔ گھر سے باہر نکلتے تو چھڑی لے کر ہی نکلتے۔ غسل اور سونے کے وقت ہی سر سے ٹوپی اتارتے تھے۔

رمضان شریف میں افطار کے بعد کھانا نہیں کھاتے تھے بلکہ تراویح کے بعد کھانا کھاتے تھے ۔ صبح نماز پڑھ کر جب گھر واپس آتے تو دروازے پر مریضوں کی بھیڑ لگی رہتی۔ دور دراز سے بھی لوگ دعا کرانے آتے تھے

اور لوگوں کو فائدہ ہوتا تھا ۔ کھانا کھانے کے بعد ایک لقمہ کسی جانور کو ضرور کھلاتے تھے۔ حتی المقدور غرض مند کی ضرورتیں پوری کردیا کرتے تھے۔

حافظ منصف صاحب جس بھینس کا دودھ استعمال کرتے تھے وہ ایک بار بیمار ہوکر زمین پر پڑ گئی اور قریب المرگ تھی۔ حافظ صاحب کو جب معلوم ہوا تو وہ بھینس والے کے گھر گئے اور بھینس کو دیکھا اور ایک بالٹی پانی مانگا اور کچھ پڑھ کر بھینس کے آگے رکھ دیا۔ بھینس نے کچھ پانی پیا کچھ گر گیا۔ صبح کولوگوں نے دیکھا کہ بھینس کھڑی ہے اور کھانے کے لئے بے چین ہے۔ اسکو چارا دیا گیا وہ کھانے لگی اور دو دن میں ہی وہ قریب المرگ بھینس تندرست ہوگئی اور سوکھے تھن میں دودھ آگیا۔

حافظ منصف صاحب نے تیس سال تک موضع بیٹھواں میں امامت کا کام انجام دیا۔ وہاں کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے۔ وہاں پر ایک کمہار خاندان آج بھی موجود ہے وہ کمہار آنوان (وہ گڑھا جسمیں مٹی کے برتن پکائے جاتے ہیں) اس گڑھے میں کچے برتن سجاتے وقت کمہار کی کے بیوی کے کان سے سونے کا زیور گر گیا گڑھے میں آگ لگادی گئی تھی۔ برتن پک کر تیار بھی ہو گئے تھے اسے نکال بھی لیا گیا کمہارن اپنے بھولے ہوئے زیور کے بارے میں بہت پریشان تھی۔ بہت تلاش کیا مگر نہ ملا۔ پورے محلے میں پوچھ تاچھ کیا مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ کمہارن کو شبہ تھا کہ گھر میں ہی کسی نے چرا لیا ہے۔ اس معاملہ کو لے کر گھر میں جھگڑا شروع ہو گیا اور ایک دن آپس میں ہی مار پیٹ کر لئے۔ یہ معاملہ زمیندار کے دروازپر فیصلہ کے لئے گیا کمہارن گھر والوں

پر ہی بار بار الزام لگارہی تھی ۔ زمیندار کے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا فیصلہ کرے۔ اس نے حافظ منصف صاحب کو بلا کر یہ معاملہ رکھا حافظ صاحب نے کہا اس کے کان کا زیور آنواں میں ہی تلاش کیا جائے ۔ آنواں کے اندر جتنی راکھ تھی اسے باہر نکالا گیا اور اسے چلنی سے چھانا گیا تو وہ زیور مل گیا۔

راستہ چلتے تو لوگ پوچھتے کہ حافظ صاحب آپ تو اتنی نگاہیں نیچی رکھتے ہیں کہ آپ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ حافظ صاحب جواب دیتے کی نیچی نگاہ کر کے چلنے کے باوجود بھی کئی چیونٹیاں میرے پیروں کے نیچے دب جاتی ہیں۔ ایک بار ایک شخص کے گھر میں آگ لگ گئی مکان جلنے لگا۔ اس مکان میں ایک بچہ گھر گیا۔ اس کو اندر سے نکالنے کی ہمت کسی میں نہ ہورہی تھی۔ اس وقت حافظ منصف وہاں پر آ گئے لوگوں نے بتایا کی جلتے ہوئے مکان کے اندر ایک بچہ جل کر مرگیا ہے۔ حافظ صاحب ایک کمبل اوڑھ کر جلتے مکان میں داخل ہو گئے اور چند منٹوں میں بچہ کو گود میں لے کر گھر سے باہر آ گئے، بچہ پوری طرح سلامت تھا۔

حافظ صاحب کے گھر میں ایک بلی برسوں سے رہا کرتی تھی اور حافظ صاحب اس بلی کو کچھ کھلاتے رہتے تھے۔ حافظ صاحب جب رات کو سوجاتے تو بلی انکے چار پائی کے پاس بیٹھی رہتی۔ جب حافظ صاحب کا انتقال ہو گیا اس دن سے پھر بھی نہیں دیکھی گئی۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ بیٹھواں موضع کی مسجد میں نماز ظہر کے وقت موسلا دھار بارش ہونے لگی جماعت کا وقت ہو گیا تھا۔ مقتدی حافظ منصف صاحب جو مسجد کے امام تھے ان کا انتظار کر رہے تھے مقتدیوں

نے ارادہ کیا کہ بارش بہت تیز ہورہی ہے حافظ صاحب کا مسجد میں آنا مشکل ہے ہم لوگ نماز ادا کرلین۔ صفین سیدھی کرنے لگے تب لوگوں نے دیکھا کی حافظ صاحب بارش میں ہی مسجد میں داخل ہورہے ہیں ۔ حافظ صاحب مصلے پر کھڑے ہوگئے اور نماز پڑھا دیا سلام پھیرنے کے بعد لوگونے دیکھا کہ حافظ صاحب کا کپڑ بالکل نہیں بھیگا تھا۔

آبادی کے پورب طرف آج بھی ایک تالاب موجود ہے اس میں کسی بیماری کے وجہ سے مچھلیاں مرہی ہیں کچھ لوگ حافظ صاحب کے پاس آئے اور حافظ صاحب سے مچھلیوں کی مرنے کی بات بتائی۔ اس وقت حافظ صاحب وضوء بنا رہے تھے۔ لوٹے میں وضوء کا بچا ہوا پانی دے کر لوگوں سے کہا کہ اسکو تالاب میں ڈال دو۔ لوگوں نے وہ پانی تالاب میں ڈال دیا دوسرے دن لوگونے دیکھا کہ ایک بھی مچھلی نہیں مری ہے۔

کچھ میرے تاثرات

یہ بتادینا ضروری سمجھتا ہو کہ چچا جان کے اہل وعیال بھی اعلی تعلیم یافتہ ہیں اور سبھی دین دار نماز باجماعت کے پابند ہیں۔ اس معاملہ میں وہ لوگ مجھ سے بہتر لکھ سکتے تھے مگھر چچاجان و خاندانی حالات ومعمولات کے چشم دید گواہ ہندوستان میں ہی رہے ہیں اور آج بھی بیشتر موجود ہیں ۔ میں دو بار پاکستان کا سفر کر چکا ہوں مگر افسوس صد افسوس سبھی سے ملاقات نہ ہوسکی۔ بڑے بھائی اسلام آباد میں ڈپٹی پوسٹ

ماسٹر جنرل ہیں۔ بھائی ڈاکٹر محمد علی و انجنیر احمد علی معہ بچوں کے امریکہ میں ہیں۔ راشد علی پیشاور میں ہیں۔ حامد علی وڈاکٹر اشرف علی ومحمد یوسف سے ملاقات ہوئی مگر انلوگوں کی مصروفیت اتنی زیادہ تھی کہ کوئی تفصیلی گفتگونہ ہوسکی۔ میرا زیادہ تر وقت چچا جان کی صحبت میں ہی گزرتا تھا۔ ان معاملات میں کچھ جاننے کے لئے میں نے چچا جان سے اصرار کیا تو انہوں نے بتایا کہ والد صاحب اور خاندانی بزرگوں کے متعلق میں نے بھی بہت کچھ سنا ہے مگر پوری طرح یاد نہیں آتا ہے۔ انہونے کہا کی در اصل زمانہ طالب علمی میں پڑھائی کی مصروفیت رہی۔ نوکری کے لئے بھاگ دوڑ کرتے رہے اور جب نوکری ملگئی تو مصروفیت اور بڑھ گئی ایک جگہ سے دوسری جگہ تبادلہ ہوتا رہا اور زیادہ تر وقت گھر سے باہر ہی گزرا پھر ہجرت کرنی پڑی اور پاکستان آنے کے بعد مزید مصروفیت بڑھ گئی ایسے حالات میں انسب باتوں کی طرف خیال ہی نہیں گیا۔

مینے گذارش کی کچھ نصیحت آمیز باتین بتائیں۔ انہونے کہا: انسان کی کامیابی ملک و مال میں نہیں ہے بلکہ اللہ اور اسکے رسول کی فرماں برداری میں ہے۔ دین میں اپنا وقت لگاؤ اور دوسروں کو بھی دین کی طرف بلاؤ۔ بچوں کو اچھی تعلیم دلاؤ ۔انکو کھانا حسب اوقات اچھا کھلاؤ کپڑے موٹے پہناؤ۔ ہر قسم کے شرسے دور رہو۔ اگر کچھ ملجائے تو خدا کا شکر ادا کرو اور نہ ملے تو صبر کرو۔ اللہ تعالی انہیں کی مدد کرتے ہیں جو دین کا مددگار ہو۔ نماز ہمیشہ باجماعت ادا کرو۔ بچے جوان ہوجائیں تو انکانکاح کردو اور شادی میں فضول خرچ ہر گز

نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہو تو راتوں کو تہجد کے بعد رو کر مانگو ۔ کسی بھی مصیبت کے وقت ہر گز مت گھبراؤ۔

کچھ دیر خاموش رہے پھر انہونے کہا: اگر ممکن ہوتا تو میں تم کو اپنے پاس ہی رکھ لیتا۔ میرے لڑکے نیک ہیں تمہاری طبیعت جب چاہے میرے گھر آ جانا۔ یوسف کے لئے فکر مند ہوں دعا کرو وہ بہی اور بھائیوں کی طرح اپنے پیر پر کھڑے ہو جائیں ۱۹۹۹ء میں جب میں چچاجان کے گھر پہونچا تو چچاجان سے ملکر بہت خوشی ہوئی مگر انکی چلنے پھرنے سے معذوری دیکھ کر بہت تکلیف ہوئی۔ الحمداللہ بستر پر ہی ساری نمازیں ادا کرتے تھے۔

جماعت سے نماز پڑ ھنے کا اتنا شوق تھا کہ میرے داہنے طرف کرسی رکھ کر بیٹھ جاتے اور بائین طرف محمد یوسف کو کھڑا کر دیتے اور مجھے کہتے کہ نماز پڑھاؤ۔ ہر کھانا اپنے ساتھ ہی کھلاتے تھے۔ مین گھر واپسی کی اجازت مانگی تو چچا جان آبدیدہ ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ اب تمسے ملاقات نہ ہو سکے گی، میری بہن کی لڑکی تمہارے عقد میں ہےاسکا خیال رکھنا، میرے لے دعائیں کرنا۔ میں بخیریت گھر واپس آگیا اورزیر نظر تحریر ترتیب دینے لگا۔ اس کام میں میرا مقصد ہرگز کوئی مفاد حاصل کرنا یا نام ونمود حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ خاندانی بزرگوں سے عقیدت ومحبت کے پیش نظر ہے۔ یہ کتابچہ لکھ کر اپنے تمام خاندانی بزرگوں کی روحوں کو خراج عقیدت پیش کرتا ہوں اور تمام موجودہ خاندان اورمتعلقہ لوگوں کے لئے نمونہ چھوڑتا ہوں۔ اس کتا بچھہ میں وہی

باتیں ترتیب دی ہیں جو متعلقہ لوگوں نے، دادی مرحومہ نے، خاندانی بزرگوں نے، والد والدہ محترمہ نے، پھوپھی مرحومہ نے، اور چچا جان کے ملنے والوں نے بتائی ہیں۔ اور مینے بعینہ اسے درج کر دیا ہے۔ مینے اپنی طرف سے وہی باتیں لکھی ہیں جسکا میں چشمدید گواہ ہوں۔ میرے قیاس میں ساری باتیں مصدقہ ہیں۔

اقوال زریں

1. کل شئی یرجع الی اصلہ. ہرشئے کو اپنی اصل کا نمونہ ہونا چاہیئے۔
2. اللہ کی دی ہوئی نعمتوں وخوبیوں کو یا درکھو تا کہ عبرت حاصل کرسکو اور شکر ادا کرسکو۔
3. اپنے زندہ مردہ والدین کویا درکھو اور انکے لئے اس طرح دعا کرو: اسے اللہ ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھ پر رحم کیا۔
4. متقیوں کو یا درکھو تا کہ تم بھی تقوی حاصل کر سکو۔

5. بڑے ہی اچھے وہ لوگ ہیں جو اپنے والدین کو یا درکھتے ہیں اور انکے لئے دعائے خیر کرتے ہیں۔

6. مرے ہوئے والدین کی خامیوں کو نظر انداز کرو اور انکی نیکیوں کا چرچا کرو۔

7. بڑا بدنصیب ہے وہ شخص جو والدین کا مال تولے لیتا ہے مگر انکی نیکیوں واحسان کو بھول جاتا ہے۔